AL-JAMEI Research Journal
ISSN (Print) 3006-4775 (Online) 3006-4783

https://aljamei.com/index.php/ajrj

Political Interpretation of Islam: A Research Review of the Intellectual Perspectives of Maulana Syed Maududi, Maulana Amin Ahsan Islahi, and Dr. Israr Ahmed

اسلام کی سیاسی تعبیر: مولانا سید مودودیؒ، مولانا امین احسن اصلاحیؒ اور ڈاکٹر اسرار احمد کی فکری جہات کا تحقیقی جائزہ

Qazi Abdul Wadood
PhD Scholar, Department of Islamic Studies, The Islamia University of Bahawalpur,
Email: qaziabdulwadood786@gmail.com
Dr. Muhammad Muavia Khan
Assistant Professor Department of Islamic Studies, The Islamia University of Bahawalpur
Rahim Yar Khan Campus.
Email: muavia.khan@iub.edu.pk

Abstract

Islam is a comprehensive religion that provides guidance not only for an individual's personal life but also for all aspects of collective and political life. In the Qur'an, the responsibility of "establishing" religion (Iqamat al-Din) has been emphasized repeatedly. This is why several thinkers of the Indian subcontinent interpreted Islam not as a set of rituals alone but as a complete political, social, and civilizational system. In the twentieth century three prominent thinkers, Maulana Syed Abul A'la Maududi, Maulana Amin Ahsan Islahi, and Dr. Israr Ahmad -played a significant role in articulating the political interpretation of Islam. They not only clarified its intellectual foundations but also discussed the methods of its implementation. All three emphasized the importance of Iqamat al-Din and political struggle; however, they differed in their approaches and practical strategies. Thus, for all three, Islam is a comprehensive system of life, and its ultimate objective is the establishment of religion. Yet their methods varied: Maududi emphasized organizational and state-oriented strategies, Islahi stressed moral and intellectual reform, while Dr. Israr Ahmad considered revolutionary and jihadi struggle essential.

Keywords: Islamic Political Thought, Iqamat al-Din, Maududi, Islahi, Israr Ahmad, Islamic State, 20th Century, Islamic Movements.

تمہید

اسلام ایک ہمہ گیر دین ہے جو انسان کی انفرادی زندگی کے ساتھ ساتھ اجتماعی و سیاسی زندگی کے تمام پہلوؤں پر رہنمائی فراہم کرتا ہے۔ قرآن مجید میں دین کو "قائم کرنے" (اقامتِ دین) کی ذمہ داری بار بار بیان کی گئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ برصغیر کے متعدد مفکرین نے اسلام کو محض چند عبادات تک محدود رکھنے کے بجائے اسے ایک مکمل سیاسی، معاشرتی اور تہذیبی نظام کے طور پر پیش کیا۔ بیسویں صدی میں برصغیر کے تین بڑے مفکرین (مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودیؒ، مولانا امین احسن اصلاحیؒ اور ڈاکٹر اسرار احمد) نمایاں ہیں، جنہوں نے دین کی سیاسی تعبیر کو نہ صرف فکری سطح پر واضح کیا بلکہ اس کے نفاذ کے طریقوں پر بھی بحث کی ہے۔ ان تینوں نے اقامتِ دین اور سیاسی جدوجہد کی اہمیت پر زور دیا، تاہم ان کے طریقِ کار اور عملی حکمتِ عملی میں اختلاف پایا جاتا ہے۔لہذا ان تینوں کے نزدیک اسلام ایک جامع نظامِ حیات ہے اور اس کی اصل غایت "اقامتِ دین" ہے، لیکن اس کے حصول کے طریقہ کار میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ مولانا مودودیؒ نے جماعتی اور ریاستی حکمتِ عملی کو اپنایا، مولانا اصلاحیؒ نے اخلاقی و فکری اصلاح پر زور دیا جبکہ ڈاکٹر اسرار احمدؒ نے انقلابی وجہادی جدوجہد کو لازمی قرار دیا۔

مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودیؒ کی سیاسی تعبیر

مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودیؒ (1903–1979ء) برصغیر کے ان مفکرین میں سے ہیں جنہوں نے اسلام کی سیاسی تعبیر کو نہایت وضاحت اور جامعیت کے ساتھ پیش کیا۔ ان کے نزدیک اسلام محض چند عقائد و عبادات یا اخلاقی تعلیمات کا نام نہیں بلکہ ایک ہمہ گیر ضابطہ حیات ہے جو فرد کی زندگی سے لے کر ریاست اور سیاست تک تمام شعبوں کی رہنمائی کرتا ہے۔ اسی وجہ سے وہ اسلام کو محض ماننے یا بیان کرنے پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ اسے زندگی کے ہر شعبے میں قائم اور نافذ دیکھنا چاہتے ہیں۔ یہی حقیقت قرآن مجید نے بھی بیان کی ہے کہ تمام انبیاء کی اصل ذمہ داری دین کو قائم کرنا اور اسے پوری زندگی پر غالب کرنا تھی۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"شَرَعَ لَكُم مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ"[1]

"اس نے تمہارے لیے دین کا وہی طریقہ طے کیا ہے جس کا حکم اس نے نوح کو دیا تھا، اور جو (اے پیغمبر) ہم نے تمہارے پاس وحی کے ذریعے بھیجا ہے اور جس کا حکم ہم نے ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ کو دیا تھا کہ تم دین کو قائم کرو، اور اس میں تفرقہ نہ ڈالنا"

اقامتِ دین کی غایت

مولانا مودودیؒ کے مطابق اسلام محض چند عقائد و عبادات کا نام نہیں بلکہ ایک ہمہ گیر نظام ہے، جو سیاست، معیشت اور معاشرت سب کا احاطہ کرتا ہے۔ چنانچہ مولانا مودودی اقامت دین کے مفہوم کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

" قائم کرنے کا لفظ جب مادی یا جسمانی چیز کیلئے استعمال ہوگا تب اس سے مراد ہوگا: بیٹھے کو اٹھانا اور کھڑا کرنا، مگر جو چیزیں مادی نہیں بلکہ معنوی ہوں گی، ان کیلئے جب قائم کرنے کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے، تب اس سے مراد محض اس چیز کی تبلیغ کر دینا ہی مراد نہیں ہوتا بلکہ اس پر کماحقہ عمل درآمد کرنا، اسے رواج دینا اور اسے عملاً نافذ کرنا بھی مراد ہوتا ہے چنانچہ انبیائے کرامؑ کو جب دین قائم کرنے کا حکم دیا گیا ہے، اس سے مراد محض یہی نہ تھا کہ خود اس دین پر عمل کریں اور دوسروں کو اس کی تبلیغ کریں بلکہ اس سے یہ بھی مراد تھا کہ جو لوگ اسے برحق تسلیم کریں، ان پر پورے کا پورا دین عملاً رائج اور نافذ بھی کر دیں۔"[2]

اور پھر وہ دین کا نفاذ کہاں کہاں ہونا چاہیے اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا:

"دین حق اور اقامت دین کے تصور میں ہمارے اور بعض دوسرے لوگوں کے درمیان اختلاف ہے ہم دین کو محض پوجا پاٹ اور چند مخصوص مذہبی عقائد و رسوم کا مجموعہ نہیں سمجھتے بلکہ ہمارے نزدیک یہ لفظ طریق زندگی اور نظام حیات کا ہم معنی ہے اور اس کا دائرہ انسانی زندگی کے سارے پہلوؤں اور تمام شعبوں پر حاوی ہے ہم اس بات کے قائل نہیں ہیں کہ زندگی کو الگ الگ حصوں میں بانٹ کر الگ الگ سکیموں کے تحت چلایا جا سکتا ہے... اس لئے ہم جب اقامت دین کا لفظ بولتے ہیں تو اس سے ہمارا مطلب محض مسجدوں میں دین قائم کرنا یا چند مذہبی عقائد اور اخلاقی احکام کی تبلیغ کر دینا نہیں ہوتا بلکہ اس سے ہماری مراد یہ ہوتی ہے کہ گھر اور مسجد، کالج اور منڈی، تھانے اور چھاؤنی، ہائی کورٹ اور پارلیمنٹ ،ایوان وزارت اور سفارتخانے سب پر اس ہی ایک خدا کا دین قائم کیا جائے جس کو ہم نے اپنا رب اور معبود تسلیم کیا ہے اور سب کا انتظام اسی ایک رسول کی تعلیم کے مطابق چلایا جائے جسے ہم اپنا ہادی بر حق مان چکے ہیں۔"[3]

چنانچہ مولانا مودودی اس پر مزید وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"معنوی اشیاء کیلئے جب قائم کرنے کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے تو اس سے مراد اس چیز کی محض تبلیغ کرنا نہیں بلکہ اسپر کماحقہ عملدر آمد کرنا، اسے رواج دینا اور اسے عملاً نافذ کرنا ہے مثلاً جب ہم کہتے ہیں کہ فلاں شخص نے اپنی حکومت قائم کی تو اس کے معنی یہ نہیں ہوتے کہ اس نے اپنی حکومت کی طرف دعوت دی بلکہ یہ ہوتے ہیں کہ اس نے لوگوں کو اپنا مطیع کر لیا اور حکومت کے تمام شعبوں کی ایسی تنظیم کر دی کہ ملک کا سارا نظام اس کے احکام کے مطابق چلنے لگا۔"[4]

چنانچہ مولانا مودودیؒ کے نزدیک اقامتِ دین کا مفہوم محض انفرادی عبادات یا چند اخلاقی تعلیمات تک محدود نہیں بلکہ پورے اجتماعی و نظامِ زندگی پر محیط ہے۔ یہی تصور قرآنِ حکیم نے بھی واضح فرمایا ہے کہ دینِ حق کے قیام اور اس کے غلبے کا مقصد انبیاء کی بعثت کا بنیادی ہدف رہا ہے، جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰي وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَي الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ"[5]

"وہ اللہ ہی تو ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچا دین دے کر بھیجا ہے، تا کہ اسے ہر دوسرے دین پر غالب کر دے، چاہے مشرک لوگوں کو یہ بات کتنی ناپسند ہو"

اظہار دین کے متعلق مذکورہ بالا آیت مبارکہ کی وضاحت کرتے ہوئے مولانا مودودی لکھتے ہیں کہ:

"عربی زبان کی رو سے دین، اس نظام حیات یا طرز حیات کے لیے استعمال ہوتا ہے، جس کے قائم کنندہ کو سند اور مطاع تسلیم کر کے اس کا اتباع کیا جائے۔ چنانچہ آیت ہذا میں بعثت رسول کا مقصد یہ بتایا گیا ہے کہ خدا کے دین حق اور ہدایت کو دین کی نوع کے تمام طریقوں اور نظاموں پر غالب کر دیں۔ گویا رسول جو نظام زندگی لے کر آتا ہے، وہ کسی دوسرے نظام زندگی کا تابع اور اس سے مغلوب بن کر اس کی عطا کردہ رعایتوں اور گنجائشوں میں سمٹ کر نہ رہے بلکہ وہ بادشاہ ارض و سم کا نمائندہ بن کر آتا ہے اور اپنے بادشاہ کے نظام حق کو غالب دیکھنا چاہتا ہے۔ چنانچہ جس دوسرے نظام زندگی کو دنیا میں رہنا ہو گا، اسے خدائی نظام کی عطا کردہ گنجائشوں میں سمٹ کر رہنا ہو گا۔"[6]

یہی آیت بعض الفاظ کی تبدیلی کے ساتھ سورۃ الفتح اور سورۃ الصف میں بھی وارد ہوئی ہے۔[7] یہ آیت "آیۃ اظہار دین" کہلاتی ہے۔

چنانچہ اس آیت کے ذیل میں علامہ قرطبی فرماتے ہیں:

" هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ يُرِيدُ مُحَمَّدًا صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (بِالْهُدَى) أَيِ بِالْفُرْقَانِ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ أَيِ بِالْحُجَّةِ وَالْبَرَاهِينِ وَقَدْ أَظْهَرَهُ عَلَى شرائع الدين حتى لا يخفى عليه شي مِنْهَا، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَغَيْرِهِ، وَقِيلَ: " لِيُظْهِرَهُ أَيِ لِيُظْهِرَ الدِّينَ دِينَ الْإِسْلَامِ عَلَى كُلِّ دِينٍ"[8]

"وہی (اللہ) ہے جس نے اپنے رسول محمد ﷺ کو (ہدایت) یعنی: فرقان، قرآن اور دینِ حق کے ساتھ بھیجا، تاکہ اسے تمام ادیان پر غالب کر دے۔ یعنی دلائل اور واضح حجتوں کے ذریعے اسلام کو دوسری شریعتوں پر ظاہر اور غالب کر دیا۔ چنانچہ اللہ نے اپنے نبی ﷺ کو ایسی شریعت عطا کی جس میں پچھلی شریعتوں کا کوئی پہلو پوشیدہ نہ رہا۔ ابن عباسؓ اور دیگر مفسرین نے کہا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ نے دینِ اسلام کو تمام مذاہب پر غالب کرنے کے لیے بھیجا۔"

تاہم اس میں اختلاف ذکر کیا ہے کہ یہ اظہار کب ہوگا؟ اس کے متعلق دو اقوال نقل کیے ہیں:

" قال أبو هُرَيْرَةَ وَالضَّحَاكَ هَذَا عِنْدَ نُزُولِ عِيسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ وَقَالَ السُّدِّيُّ: ذَاكَ عِنْدَ خُرُوجِ الْمَهْدِي لَا يَبْقَى أَحَدٌ إِلَّا دَخل فِي الإسلام أو أَدَّى الْجِزْيَةَ"[9]

"ابوہریرہؓ اور ضحاکؒ نے کہا: یہ (آیت کا مکمل ظہور) اُس وقت ہوگا جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نازل ہوں گے۔ اور سدیؒ نے کہا: یہ اُس وقت ہوگا جب مہدی خروج کریں گے، اس وقت زمین پر کوئی شخص باقی نہ رہے گا مگر یہ کہ وہ اسلام قبول کرے گا یا جزیہ ادا کرے گا۔"

سورۃ الصف کے ذیل میں علامہ قرطبی نے یوں لکھا:

"ليظهره على الدين كله أي بالحجج ومن الظهور الغلبة باليد في القتال وليس المراد بالظهور ألايبقى دين آخر من الأديان بل المراد يكون أهل الإسلام عالين غالبين۔ ومن الإظهار ألا يبقى دين سوى الإسلام في آخر الزمان، وقيل ليظهره أي ليطلع محمدا صلى الله عليه وسلم على سائرالأديان، حتى يكون عالما بها عارفا بوجوه بطلانها، وبما حرفوا وغيروا منها على الدين أي الأديان لأن الدين مصدريعبربه عن جمع "[10]

"ليظهره على الدين كله" یعنی حجت و دلائل کے ساتھ اسلام کو ظاہر کرنا، اور اس ظہور کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ جنگ و قتال کے ذریعے عملی غلبہ حاصل ہو۔ اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ دنیا میں کوئی اور دین باقی نہ رہے گا، بلکہ مطلب یہ ہے کہ اہلِ اسلام بلند اور غالب ہوں گے۔ اور ایک قول یہ بھی ہے کہ آخر الزمان میں (حضرت عیسیٰؑ کے نزول کے بعد) صرف دینِ اسلام باقی رہ جائے گا اور کوئی دوسرا دین باقی نہ رہے گا۔ ایک اور تفسیر یہ ہے کہ "لِيُظْهِرَهُ" سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کو تمام ادیان پر مطلع اور آگاہ فرمادیا، تاکہ آپ ﷺ ان سب کو جان لیں اور ان کی باطل صورتوں، ان میں کی گئی تحریفات اور تغیرات سے بخوبی واقف ہو جائیں۔ یہاں "الدِّین" سے مراد ادیان (جمع) ہیں، کیونکہ "دین" مصدر ہے اور مصدر کا اطلاق جمع پر بھی ہو جاتا ہے۔"

حضرت عبد اللہ بن عباس کی تفسیر کے مطابق سورہ صف کے ذیل درج ذیل الفاظ مذکور ہیں:

"ليظهره على الدين كله على الأديان كلها فلا تقوم الساعة حتى لا يبقى أحد إلا دخل في الإسلام أو أدى إلیهم الجزية"[11]

"(لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ) یعنی تمام ادیان پر اسلام کو غالب کرنا، اور قیامت قائم نہ ہوگی یہاں تک کہ زمین پر کوئی شخص ایسا باقی نہ رہے گا مگر وہ اسلام میں داخل ہو گا یا مسلمانوں کو جزیہ ادا کرے گا۔"

شاہ ولی اللہ نے بھی اس فریضہ کو اس آیت سے ثابت کیا ہے۔ وہ اس طرح کہ انھوں نے نبی کریم ﷺ کی بعثت کی دو اقسام بیان کی ہیں۔

"ایک بنو اسماعیل کی طرف اور دوسری تمام اقوام عالم کی طرف۔ دوسری بعثت کی خصوصیت ارتفاق رابع کا نظام دنیا میں قائم کرنا بتلائی۔[12] اس کا موجب یہ تھا کہ قبل از بعث دنیا کی حالت اللہ کے ہاں نہایت مبغوض تھی اور قیصر و کسری جیسی سلطنتوں پر زوال لانا لازم تھا۔ اس لیے اللہ نے رسول اللہ ﷺ کو مبعوث فرما کر ارتفاق رابع کا نظام دنیا میں قائم کرنے کا انھیں حکم دیا اور یہ بھی ضروری تھا کہ آپ ﷺ کو تمام دیگر ادیان پر غالب کر دے "لِیُظْهِرَهُ عَلَى الدِّینِ كُلِّهِ" اس سے بھی پتہ چلتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی بعثت میں غلبہ و اظہار دین کا عنصر لازمی ولابدی تھا۔"[13]

اسی تصور کی بنا پر شاہ صاحب نے ایک موقع پر انبیاء کرامؑ کی تین اغراض خصوصیہ کا تذکرہ کیا ہے۔

"پہلی صورت یہ ہے کہ کسی خاص قوم کا بر سر اقتدار کرنا منظور ہوتا ہے تاکہ دوسری قوم کو ذلیل کرے اور ان کا تختہ الٹ دے۔ حضرت محمد ﷺ کی بعثت اس قسم کی تھی۔ دوسری صورت یہ ہے کہ کسی قوم کے حقوق اور برتری کو برقرار رکھنا اور زوال سے بچانا، حضرت موسیٰؑ کی بعثت اسی مقصد کے لئے تھی۔ یا پھر کسی قوم کی سلطنت کو باقی رکھنا منظور ہوتا ہے جیسا کہ حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام اور بنی اسرائیل کے دیگر انبیاء کرامؑ کا بھیجا جانا بھی اسی مطلب کے لیے تھا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے:

"وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِينَ إِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُورُونَ وَإِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ "[14]

"اپنے بھیجے ہوئے بندوں سے ہم پہلے ہی وعدہ کر چکے ہیں، کہ یقیناً ان کی مدد کی جائے گی، اور ہمارا لشکر ہی غالب ہو کر رہے گا"

چنانچہ "الْمَنْصُورُونَ" کا ترجمہ شاہ صاحب نے، انھیں کی فتح اور انھیں کا غلبہ ہونا، کیا ہے۔"[15]

مذکورہ تینوں صورتوں سے انبیاء کے غلبہ کی طرف واضح اشارہ ہے۔ بلکہ انبیاء کی اغراض خصوصیہ میں سے اقتدار کو قائم کرنا یا رکھنا، شمار کیا ہے۔ ایک اہم بات یہ ہے کہ آیہ اظہار دین نقل کرنے کے بعد وضاحت کی گئی کہ اظہار دین کا ذکر کافروں کی سرکشی کے بعد ہوا ہے۔ لہذا اظہار دین سے وہ معنی مراد لینا ضروری ہے جس سے کفار کی شرارتوں کا سدباب ہو اور یہ بات محض حجت و برہان کے غلبہ اور تعلیم و تزکیہ سے حاصل نہیں ہوتی۔

جماعت اسلامی کا قیام:

اسی فکر کے تحت مولانا مودودیؒ نے 1941ء میں "جماعت اسلامی" قائم کی۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں میں ایک ایسی منظم تحریک پیدا کی جائے جو اسلام کے سیاسی و اجتماعی نظام کو نافذ کرنے کے لیے کام کرے۔ ان کا ماننا تھا کہ بغیر منظم جماعت کے اسلامی انقلاب ممکن نہیں۔ چنانچہ اس مقصد کے لئے انھوں نے ترجمان القرآن میں یہ تجویز پیش کی کہ ایک اسلامی پارٹی کی اشد ضرورت ہے جو مندرجہ بالا مقاصد حاصل کر سکے۔ اسعد گیلانی رقمطراز ہیں:

"جو لوگ اس تجویز سے اتفاق رکھتے تھے وہ 26 اگست 1941ء کو لاہور میں جمع ہو گئے ان کی تعداد 75 تھی اور ان افراد نے ایک جماعت کی بنیاد رکھی اور اس کا نام "جماعت اسلامی" رکھا۔ انھوں نے اس جماعت کا مقصد "أَنْ أَقِيمُوا الدِّينَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِيْهِ "[16] متعین کیا۔ مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی ہی جماعت کے پہلے امیر منتخب ہوئے۔ یہ جماعت اب پاکستان، ہندوستان اور بنگلہ دیش میں کافی ترقی کر چکی ہے اور دینی اور سیاسی کام کر رہی ہے۔"[17]

مولانا امین احسن اصلاحیؒ کی سیاسی تعبیر:

مولانا امین احسن اصلاحیؒ (1904-1997ء) برصغیر کے ان عظیم مفسرین و مفکرین میں شمار ہوتے ہیں جنھوں نے قرآن مجید کی روشنی میں دین کے مختلف پہلوؤں کو نئے فکری انداز میں واضح کیا۔ اگرچہ وہ عملی سیاست سے زیادہ علمی و تفسیری میدان میں نمایاں رہے، تاہم

ان کی فکر میں دین کی سیاسی تعبیر بھی نہایت اہم ہے۔ مولانا اصلاحی کے نزدیک "اقیمو الدین" سے مراد اس دین کا بھی بیان ہے جس کی تلقین انبیاء کرام کو کی گئی اور اس ہدایت کا بھی جو اس دین سے متعلق ان نبیوں کے واسطہ سے ان کے پیروؤں کو کی گئی۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

"قائم رکھنے سے مراد یہ ہے کہ اس کی جو باتیں ماننے کی ہیں، وہ سچائی کے ساتھ مانی جائیں، جو کرنے کی ہیں دو دیانتداری اور راست بازی کے ساتھ کی جائیں۔ نیز لوگوں کی برابر نگرانی کی جائے کہ وہ اس سے غافل یا منحرف نہ ہونے پائیں اور اس بات کا بھی پورا اہتمام کیا جائے کہ اہل بدعت اس میں کسی بھی قسم کا کوئی رخنہ پیدا نہ کر سکیں۔"[18]

تدریجی اصلاح کا تصور:

مولانا امین احسن اصلاحیؒ کے نزدیک اقامتِ دین کا عمل اچانک اور انقلابی نعروں سے نہیں بلکہ ایک تدریجی اور ارتقائی سفر ہے۔ وہ اس حقیقت پر زور دیتے ہیں کہ اسلام کا نظامِ حیات دراصل فرد کے باطن سے لے کر معاشرت کے تمام پہلوؤں تک بتدریج قائم ہوتا ہے۔ ان کے نزدیک سب سے پہلی ذمہ داری فرد پر عائد ہوتی ہے کہ وہ اپنی ذات کو اسلامی اصولوں کے مطابق ڈھالے۔ اس کے بعد خاندان، پھر سماج اور پھر پوری ریاست میں دین کے قیام کا عمل جاری ہوتا ہے۔ گویا اقامتِ دین کی بنیاد فرد کی اصلاح اور اس کی زندگی میں عملی اسلام کی تنفیذ ہے۔ اسی تدریجی تصور کو بیان کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں:

"دین کا مطالبہ یہ ہے کہ فرد اپنی زندگی میں اسلام قائم کرے، پھر خاندان میں، پھر سماج میں۔ یہی تدریج ہی اقامتِ دین کا صحیح طریقہ ہے۔"[19]

اسی طرح مولانا اصلاحی کے مطابق غلبہ دین سے متعلقہ آیت کا مفہوم یہ ہے کہ:

"حرم کی سرزمین پر اللہ کے دین کے سوا کوئی دین باقی نہ رہے۔ کیونکہ قریش نے بیت اللہ پر قبضہ کیا تھا اور توحیدی مرکز کے تمام مقاصد برباد کر کے اس کو بت خانہ بناڈالا تھا۔ لہذا حکم ہوا کہ ان غاصبوں اور خائنوں سے جنگ کرو اور جنگ جاری رکھو یہاں تک کہ سرزمین حرم پر اللہ کے دین اسلام، جو دین ابراہیمی تھا، کے سوا کوئی دین باقی نہ رہے۔ اصلا یہ حکم سرزمین حرم کیلئے تھا مگر کفر و شرک کے اثرات سے حرم کی حفاظت ممکن نہ تھی جب تک حرم کے ارد گرد کا پورا علاقہ کفر و شرک سے پاک نہ کر دیا جاتا۔ چنانچہ حرمین کے تمام علاقے سے غیر مسلم عناصر اور اہل کتاب کو بھی تدریجاً بے دخل کر دیا۔"[20]

اقامتِ دین کی غایت

مولانا اصلاحیؒ کے نزدیک اسلام کی اصل غایت اقامتِ دین ہے، لیکن اس کے لیے سب سے پہلی شرط یہ ہے کہ افراد اور معاشرہ فکری و اخلاقی طور پر تیار ہوں۔ چنانچہ مولانا اصلاحیؒ جماعت اسلامی کے سیاسی رخ پر تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"حقیقی اسلامی انقلاب کے لیے سب سے پہلی ضرورت یہ ہے کہ عوام کے اندر اسلام پر ایمان اور اس کی اخلاقی اساس پر اعتماد پیدا کیا جائے۔ بغیر اس کے محض اقتدار حاصل کر لینے سے کوئی پائیدار نتیجہ بر آمد نہیں ہو سکتا۔"[21]

اس اقتباس سے واضح ہوتا ہے کہ مولانا اصلاحیؒ کے نزدیک سیاسی اقتدار بذاتِ خود مقصود نہیں، بلکہ یہ اخلاقی اور فکری بنیادوں پر قائم ہونا چاہیے۔ چنانچہ اسی طرح مولانا وحید الدین کے مطابق اس کی تفسیر درج ذیل ہے:

"خدا نے تمام سابقہ ادیان کو رد کر دیا ہے اور پیغمبر عربی کے دین کو اپنے دین کے واحد مستند ایڈیشن کے طور پر قیامت تک قائم کر دیا ہے۔ ادیان سابقہ کے بر خلاف اسلام کے متن میں آج تک کوئی تغیر و تبدل واقع نہیں ہو سکا۔ اسلام تاریخی طور پر ایک معتبر ترین دین ہے اس کی تعلیم ایک

زندہ زبان میں پائی جاتی ہے گویا اسلام کی صورت میں خدا نے مذہب کی جو روشنی جلائی ہے وہ بھی مدہم نہیں ہوئی اور نہ ہی اسے بجھایا جا سکا ہے، وہ مکمل طور پر دنیا کے سامنے موجود ہے اور ہر دوسرے دین پر اصولی برتری قائم رکھے ہوئے موجود ہے۔"[22]

ایک جگہ اظہار دین والی آیت کے ذیل میں مولانا وحید الدین خان لکھتے ہیں:

"تمام ادیان پر اظہار دین کا مطلب کسی قسم کا سیاسی غلبہ نہیں ہے، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ دین خداوندی کی تصویر بے آمیز صورت میں انسان کے سامنے آجائے۔ اسی طرح اتمام نور کا مطلب بھی کسی سیاسی نظام کا نفاذ نہیں، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان خدائی دین کی تصویر کو بگاڑنا چاہتا ہے مگر اللہ کا یہ حتمی فیصلہ ہے کہ وہ خدائی دین کو اس کی اصل صورت میں محفوظ کر دے۔ اللہ نے انسان کو مکمل آزادی عطا کی ہے۔ اللہ نے اپنی سنت کے مطابق، انسان کی آزادی کو برقرار رکھتے ہوئے حفاظت دین کے اس منصوبے کو انجام دیا۔"[23]

در اصل مولانا وحید الدین کے نزدیک غلبہ دین سے مراد فکری اور نظریاتی غلبہ ہے نہ کہ سیاسی غلبہ۔ اسی لیے وہ جہاں پر بھی غلبہ دین کی بات کرتے ہیں تو اس سے نظریاتی اور فکری غلبہ مراد لیتے ہیں۔ چنانچہ ایک اور مقام پر لکھتے ہیں کہ:

"قرآن کی اس آیت میں اظہار دین سے کچھ لوگ سیاسی غلبہ مراد لیتے ہیں، مگر آیت کے الفاظ سے اس مفہوم کا کوئی تعلق نہیں۔ قرآن کی آیت میں جو لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ وہ "لیظھرہ علی الدین کلہ" ہے، نہ کہ "لیظھرہ علی الارض کلھا" یعنی اس آیت میں جس غلبہ کا ذکر ہے وہ زمین پر ہونے والا غلبہ نہیں ہے بلکہ وہ دین یا ادیان پر ہونے والا غلبہ ہے۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہ اس سے مراد فکری اور نظریاتی غلبہ ہے، نہ کہ سیاسی اور حکومتی غلبہ، دوسرے لفظوں میں اس سے مراد غلبہ بہ مقابلہ آئیڈیالوجی ہے، نہ کہ غلبہ بمقابلہ سیاسی اقتدار۔"[24]

آسان لفظوں میں یہ کہ اللہ تعالی نے دین محفوظ کر دیا اور نظریاتی اعتبار سے دین اسلام کو غالب کر دیا، یہی اس اظہار دین سے مراد ہے۔ جیسا کہ اپنی ایک اور تحریر میں مولانا وحید الدین اس بات کی وضاحت کرتے ہیں:

"اظہار دین سے مراد خود دین کا اظہار ہے نہ کہ دین کے سوا کسی اور چیز کا اظہار۔ اس آیت میں اظہار دین سے مراد سیاسی اقتدار یا اجتماعی نظام نہیں، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ خدا کا دین بحیثیت دین حق اپنے نظریاتی غلبہ کو ہمیشہ برقرار رکھے گا۔ یہ غلبہ بہ اعتبارِ حجت (دلیل) ہوگا، نہ کہ بہ اعتبارِ نظام۔"[25]

ڈاکٹر اسرار احمدؒ کی سیاسی تعبیر

ڈاکٹر اسرار احمدؒ (1932-2010ء) برصغیر کے اُن نامور مفکرین میں سے ہیں جنھوں نے اسلام کی سیاسی تعبیر کو نہایت انقلابی اور عملی رنگ میں پیش کیا۔ وہ بنیادی طور پر ایک عالمِ دین اور مفسر قرآن تھے، لیکن ان کی فکر میں اسلام کا اجتماعی اور سیاسی پہلو مرکزی حیثیت رکھتا ہے۔

اقامتِ دین اور انقلابی جدوجہد:

ڈاکٹر اسرار احمدؒ کے نزدیک اقامتِ دین محض ایک فکری یا اخلاقی عمل نہیں بلکہ ایک بھرپور انقلابی جدوجہد ہے۔ چنانچہ ڈاکٹر اسرار احمد لفظ "دین" کا مفہوم یوں بیان کرتے ہیں:

"دین کا اصل مفہوم جزا و سزا اور بدلہ ہے اس بنیادی تصور کے تمام مقتضیات اور لوازم کے اجتماع سے قرآن مجید کی مخصوص اصطلاح "الدین" بنی ہے چنانچہ دین کے معنی ہیں ایک پورا نظام زندگی مکمل ضابطہ حیات اور اکمل واتم دستور و آئین اطاعت جس میں ایک ہستی یا ادارے کو مطاع،

مقننہ اور حاکم مطلق مان کر اس کی سزا کے خوف اور اس کے انعام کے ذوق وشوق سے اس کے عطا کردہ یا جاری و نافذ قانون اور ضابطے کے مطابق اس ہستی یا ادارے کی کامل اطاعت کرتے ہوئے زندگی بسر کی جائے۔"[26]

ڈاکٹر اسرار احمد آیت "أَقِيمُوا الدِّينَ" کے ذیل میں اقامت اور اقیموا کا مفہوم بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

" قائم کرو دین کو یا قائم رکھو دین کو یعنی اگر دین قائم ہو تو قائم رکھو قائم نہ ہو تو اسے قائم کرو۔"[27]

عربی گرائمر کے اعتبار سے وضاحت کی کہ "أَقِيمُوا" فعل متعدی ہے۔اس کا ترجمہ یہی ہو گا کہ:

"کسی دوسری شے کو کھڑا کرنا، اگر کوئی شخص اس کا معنی کھڑا رہنا یا قائم رہنا کرتا ہے تو یہ فعل لازم بنتا ہے حالانکہ "أَقِيمُوا" فعل لازم نہیں ہے بلکہ فعل متعدی ہے لہٰذا اقامت دین کا مفہوم یہ ہو گا کہ دین کو اس کے مکمل اور تمام لوازم و مقتضیات کے ساتھ "أَقِيمُوا" کھڑا کیا جائے یا کھڑا رکھا جائے۔"[28]

چونکہ قرآن حکیم کے بعض تراجم میں "أَقِيمُوا الدِّينَ" کا ترجمہ "دین کو قائم رکھو" اور بعض میں اس کا ترجمہ "دین کو قائم کرو" کیا گیا ہے۔ چنانچہ ڈاکٹر اسرار احمد مرحوم نے ترجمہ کے اس اختلاف کو بڑی عمدہ تطبیق سے سلجھا دیا ہے۔وہ فرماتے ہیں کہ:

"کسی معاشرے میں عملاً دین قائم ہو گا یا قائم نہیں ہو گا لہٰذا اس حکم کا مقصد یہ ہے کہ اگر دین پہلے ہی سے قائم ہے تو اسے قائم رکھو اور اگر قائم نہیں ہے تو اسے قائم کرو۔[29] اور دین کا اپنے ماننے والوں سے یہ تقاضا ہے کہ اسے قائم کریں، اسے کھڑا کریں، اسی دین کے مطابق نظام معیشت و معاشرت استوار ہو، اس کے مطابق نظام حکومت وسیاست قائم ہو۔"[30]

امت کی اجتماعی ذمہ داری

اس کے بعد سورۃ المائدہ کی آیت نمبر 68 بطور دلیل و استشہاد پیش کرتے ہوئے اقامت دین کا مفہوم ان الفاظ میں بتلایا:

"یہاں وہی لفظ اقامت دین (قائم کرنا) آیا ہے۔اب اس آیت میں بغرض تفہیم یا اھل الکتاب کی جگہ یا اھل القرآن اور توراۃ و انجیل کی جگہ قرآن رکھ دیجیے تو بات یوں ہو گی کہ اے اہل قرآن اے حاملان کتاب اللہ، تمہاری کوئی حیثیت نہیں ہے جب تک تم قرآن کو قائم نہ کرو قرآن کریم اگر واقعی ضابطہ حیات ہے، جیسا کہ فی الواقع وہ ہے، تو اس کو نافذ کیا جانا چاہیے۔ قرآن نے اگر کوئی نظام دیا ہے اور واقعی دیا ہے۔ تو وہ نظام قائم ہونا چاہیے۔ یہ مختصر شرح ہوئی اقامت دین کی۔"[31]

"لہٰذا اقامت دین ایک قرآنی اصطلاح ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ دین کا قیام، دین کا غلبہ اور دین کو بحیثیت نظام زندگی بالفعل قائم کر دینا۔"[32]

گویا "أَقِيمُوا الدين" کے حکم کا خلاصہ یہی ہے کہ زبان سے صرف عقیدہ توحید کا اقرار کرنا ہی کافی نہیں ہے بلکہ اس عقیدے کا رنگ اپنے اعمال پر بھی چڑھاؤ اور نہ صرف انفرادی بلکہ اجتماعی طور پر اپنے معاشرے کی اعلیٰ ترین حکومتی اور ریاستی سطح پر اس کی تنفیذ و تکمیل کو یقینی بناؤ۔"[33]

گویا کہ ڈاکٹر اسرار احمد کے نزدیک اقامت دین کے مفہوم میں تین باتیں شامل ہیں۔ پہلی یہ کہ اللہ کو ہی حاکم حقیقی اور مطاع مطلق تسلیم کرنا، دوسری یہ کہ انفرادی و اجتماعی سطح پر جس جگہ دین قائم ہے اسے برقرار رکھنا اور اگر کوئی گوشہ دین سے خالی ہے تو اس پر دین قائم کرنا، تیسری یہ کہ نظام معیشت و معاشرت اور حکومت و سیاست دین کے مطابق ہو اگر انفرادی معاملات تو دین کے مطابق ہیں لیکن اجتماعی نظام نہیں ہے تو اقامت دین کا مفہوم و مدعا کسی صورت پورا نہیں ہوتا۔

تنظیم اسلامی کا قیام:

اپنی فکر کو عملی جامہ پہنانے کے لیے ڈاکٹر اسرار احمدؒ نے "تنظیم اسلامی" قائم کی۔ یہ تنظیم قرآن و سنت کے ذریعے ایک جامع انقلابی تحریک کی بنیاد پر قائم کی گئی تاکہ مسلمانوں کو اسلام کے اصل مقصد یعنی اقامتِ دین کی طرف متوجہ کیا جا سکے۔

خلاصۃ البحث:

مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودیؒ کے نزدیک اسلام ایک مکمل نظامِ حیات ہے جو فرد، معاشرہ اور ریاست سب پر حاوی ہونا چاہیے۔ ان کے خیال میں اقامتِ دین کا مطلب صرف عبادات یا اخلاقی تعلیمات تک محدود نہیں بلکہ اسے زندگی کے ہر شعبے میں نافذ کرنا ہے۔ اسی مقصد کے لیے انہوں نے 1941ء میں جماعتِ اسلامی قائم کی تاکہ ایک منظم تحریک کے ذریعے اسلامی نظام رائج ہو۔ دوسری طرف مولانا امین احسن اصلاحیؒ نے اقامتِ دین کو ایک تدریجی اور اصلاحی عمل قرار دیا، جو فرد سے شروع ہو کر خاندان اور پھر ریاست تک پھیلتا ہے۔ ان کے نزدیک حقیقی انقلاب اخلاقی اور فکری بنیادوں کے بغیر ممکن نہیں۔ مولانا وحید الدین خانؒ نے غلبہ دین کو سیاسی کے بجائے فکری اور نظریاتی برتری قرار دیا اور کہا کہ اسلام اپنی دلائل اور حقانیت کے ذریعے ہمیشہ غالب رہے گا۔ جبکہ ڈاکٹر اسرار احمدؒ نے اقامتِ دین کو ایک انقلابی جدوجہد کے طور پر بیان کیا جس کے ذریعے پورے نظامِ حیات کو قرآن و سنت کے مطابق ڈھالا جا سکے۔ یوں ہر مفکر نے اپنے انداز میں اسلام کی سیاسی تعبیر پیش کی، لیکن سب کا مقصد دین کی بالادستی اور اس کے قیام کی جدوجہد ہی رہا۔

حوالہ جات

1۔ القرآن 42: 13

2۔ مودودی، ابو الاعلیٰ، **تفہیم القرآن** (لاہور: ادارہ ترجمان القرآن، 2004ء۔) 4/487، 488

3۔ مودودی، ابو الاعلیٰ، مولانا، **جماعت اسلامی کا مقصد تاریخ اور لائحہ عمل**، (لاہور: اسلامک پبلیکیشنز، ستمبر، 2014ء)، ص: 11

4۔ مودودی، **تفہیم القرآن**، 4/788

5۔ القرآن 9: 33

6۔ مودودی، **تفہیم القرآن**: 2/ص 591

7۔ القرآن 48: 28، القرآن 61: 9

8۔ القرطبی، **تفسیر قرطبی**: 121/8

9۔ القرطبی، **تفسیر قرطبی**: 121/8

10۔ القرطبی، **تفسیر قرطبی**: 86/18

11۔ فیروزآبادي، مجد الدين أبو طاهر محمد بن يعقوب، **تنوير المقباس من تفسير ابن عباس**، (بيروت: دار الكتب العلمية، 1992ء، الطبعة الأولى)، 470/1

12۔ ارتفاق رابع سیاست مدنیہ کے متعلق ہے جس میں خلیفہ کی اہمیت و حقیقت، مفسدین کی سرکوبی، خلیفہ کے فرائض و حکومت و سیادت کی تفصیل ہے۔ (تفصیل کے لئے حجۃ اللہ البالغہ (مترجم) مولانا عبد الرحیم، (لاہور: الفیصل ناشران، 2017ء، باب 9)، 1/196 تا 199

13۔ شاہ ولی اللہ، **حجۃ اللہ البالغہ**، 1/422

14۔ القرآن 37: 171، 172

15۔ شاہ ولی اللہ، **حجۃ اللہ البالغہ**: 1/318

16۔ القرآن، 42: 13

17۔ گیلانی، **سید مودودی، بچپن، جوانی** (لاہور: اسلامی اکیڈمی، 2004ء)، ص 57، ماہنامہ دعوہ، سید مودودی نمبر، دسمبر 2003ء تا فروری 2004ء، ص 16

18۔ اصلاحی، امین احسن، **تدبر قرآن**، (لاہور: مکتبہ تدبر قرآن، 1980ء)، 7/153

19۔ امین احسن اصلاحی، **تدبر قرآن**، 2/155

20۔ اصلاحی، **تدبر قرآن** 3/475

[21] ۔ اصلاحی، امین احسن، **دعوتِ دین اور اس کا طریق کار**، (لاہور: ادارہ تدبر قرآن وحدیث، 1979ء)، ص67

[22] ۔ وحید الدین، **تذکیر القرآن**: 1/475

[23] ۔ وحید الدین خان، مولانا، اظہار دین، (نیو دہلی، گڈورڈ بکس، نظام الدین ویسٹ مارکیٹ، 2015ء، طبع دوم)، ص:297

[24] ۔ وحید الدین، **اظہار دین**، ص:338

[25] ۔ وحید الدین خان، مولانا، **اظہار دین**، ص:359

[26] ۔ اسرار احمد، ڈاکٹر، **قرب الٰہی کے دو مراتب**، (لاہور: المکتبہ خدام القرآن، 2013ء، طبع ہفتم)، ص48، مطالبات دین، (لاہور: مکتبہ خدام القرآن، 2014ء، ص:81

[27] ۔ اسرار احمد، ڈاکٹر، **توحید عملی**، (لاہور: مرکزی انجمن خدام القرآن، 2016ء، طبع ششم)، ص:82

[28] ۔ اسرار احمد، ڈاکٹر، حزب اللہ کے اوصاف اور امیر ومامورین کا باہمی تعلق، لاہور: مرکزی انجمن خدام القرآن، اگست، 2011ء طبع سوم)، ص:23، 24

[29] ۔ اسرار احمد، **بیان القرآن**: 6/312، مطالباتِ دین: 89، 90

[30] ۔ اسرار احمد، ڈاکٹر، **دینی فرائض کا جامع تصور**، مکتبہ خدام القرآن، لاہور، 2017ء، طبع چوبیس)، ص:23

[31] ۔ اسرار احمد، **دین فرائض کا جامع تصور**، ص:24

[32] ۔ اسرار احمد، ڈاکٹر، **مطالبات دین**، (لاہور: مکتبہ خدام القرآن، 1999ء، طبع دوم)، ص:77

[33] ۔ اسرار احمد، ڈاکٹر، **بیان القرآن**، 6/312